جیلانی کامران -----فطرت کا آئینہ جُو

عاصمہ اصغر

ABSTRACT:

Jilani Kamran was a renowned literary personality. As a poet and critic the valuable creative and academic asset left by him will always be remembered. He maintained his dignified and exclusive recognition as a scholar. He started his poetry in sixties and due to his specific and eclusive expression his readers were highly impressed. He fundamentally belonged to the new poetic movement. His poetry witnessed a change in his later age and he came closer to the nature colour of poetry. That's why a marked difference can be seen in his earlier and later part of poety.

جیلانی کامران انگریزی اور اردو ادب کی ایک نمایاں شخصیت تھے۔ وہ ساری زندگی انگریزی زبان و ادب کی تدریس سے وابستہ رہے اور ایک لائق استاد کی حیثیت سے اپنے شاگردوں کے دل میں جگہ بنائی۔ انھوں نے ایسے شاگرد پیدا کیے جنھوں نے قومی اور بین الاقوامی سطح پر شہرت حاصل کی۔ ۱۹۶۰ء کے زمانے کے ان کے ایک شاگرد لطیف قریشی، جو سی ایس ایس کے امتحان میں کامیابی حاصل کر کے محکمہ انکم ٹیکس سے منسلک ہوئے اور بعد میں ایڈووکیٹ سپریم کورٹ کے طور پر وکالت کے شعبے میں خدمات انجام دیں، لکھتے ہیں:

> ''گورنمنٹ کالج لاہور میں ایک روایت تھی کہ ہر کلاس کے طلبائے علم کو چھ گروپوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا اور ہر گروپ کو ایک استاد کی نگرانی میں دے دیا جاتا، جو ہفتے میں کم از کم دو دن ان کے ساتھ خصوصی نشست کرتے اور ان کے ساتھ علمی و ادبی معاملات پر گفتگو کرتے...... ایسی ہی ایک نشست کے دوران ڈاکٹر امداد حسین (جو اس وقت گورنمنٹ کالج لاہور میں شعبہ انگریزی کے سربراہ تھے) تشریف لے آئے، اور جیلانی صاحب کو زیادہ تر اردو اور پنجابی میں گفتگو کرتے دیکھ کر کہنے لگے: جیلانی صاحب اس سے طلبائے علم کی انگریزی زبان پر دسترس کو

ترقی دینے میں رکاوٹ نہیں آئے گی تو جیلانی صاحب نے کمال تحمل سے وضاحت کی کہ انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ ان طلبائے علم میں سے اچھا ادب او راچھی انگریزی زبان لکھنے والے پیدا ہوں گے، کیوں کہ یہ انگریزی ادب پڑھتے ہیں، کلاس میں انگریزی زبان میں لیکچر سنتے ہیں اور یہاں میرے پاس مادری او رقومی زبانوں میں بحث میں حصہ لیتے ہیں، اور ایسا ہی ہوا کہ اس گروپ میں سے نہ صرف انور ادیب مرحوم جیسا شاعر اورمسرت جبیں جیسی مدیرہ، بلکہ شیر دل جیسا اعلیٰ پائے کا بیوروکریٹ اور رشید احمد جیسا ڈپلومیٹ بھی پیدا ہوئے ۔ جب کہ میں نے قلم سنبھالنا اورقلم کی حرمت قائم رکھنا انہی سے سیکھا''۔ (۱)

جیلانی کامران نے ۵۶ برس تک طالب علموں کو اپنے علم وعرفان سے فیض یاب کیا۔ وہ اکیس برس کی عمر میں شعبہ تعلیم سے وابستہ ہوئے اور اپنی وفات تک اسی شعبے سے منسلک رہے۔ ۱۹۲۶ء میں پونچھ میں جنم لینے والے جیلانی کامران نے ساری زندگی علم کی تحصیل اور اشاعت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔ ۱۹۴۷ء میں پنجاب یونیورسٹی سے انگریزی زبان وادب میں ماسٹرز کرنے کے فوراً بعد وہ شعبہ تعلیم سے وابستہ ہوگئے۔۱۹۵۴ء میں وہ مزید تعلیم کے لیے انگلستان گئے جہاں انھوں نے ایڈنبرا یونیورسٹی سے انگریزی زبان وادب میں ایم۔اے آنرز کیا۔ چار سال انگلستان رہنے کے بعد وہ ۱۹۵۸ء میں واپس آ کر گورنمنٹ کالج لاہور میں بطور لیکچرار تعینات ہوئے۔اور۱۹۷۳ء میں ترقی پا کر گورنمنٹ کالج اصغر مال راولپنڈی میں پرنسپل کی حیثیت سے چارج سنبھالا۔

۱۹۷۵ء میں گورنمنٹ کالج باغبانپورہ کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ ۱۹۷۹ء میں انھیں ایف سی کالج لاہور کے شعبہ انگریزی کا سربراہ مقرر کیا گیا جہاں سے ۱۹۸۶ء میں وہ ریٹائر ہوئے۔ ۱۹۹۹ء میں گورنمنٹ کالج لاہور نے انھیں انگریزی زبان و ادب کا پروفیسر امریطس مقرر کیا اور تادمِ آخر وہ یہ فرائض ادا کرتے رہے۔ ۱۹۸۶ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد انھوں نے انگریزی اخبار روزنامہ دی نیشن لاہور میں "Cultural Metaphor" کے نام سے ہفتہ وار کالم بھی لکھنا شروع کیا جو۲۰۰۳ء میں ان کی وفات تک جاری رہا۔اس کالم میں وہ پاکستان میں ادبی سرگرمیوں کے علاوہ علمی اور ادبی موضوعات پر شائع ہونے والی کتابوں اور واقعات ومباحث پر تبصرہ اور رائے زنی کرتے تھے۔ بقول لطیف قریشی:

''......میری ان سے ہفتے میں ایک ملاقات ضرور ہوتی، کیوں کہ وہ اکثر اپنا ہاتھ کا لکھا ہوا کالم لے کر میرے دفتر تشریف لاتے اور جس دوران میں ان کا کالم ٹائپ ہوتا ہم وقت کی مناسبت سے چائے پیتے یا کھانا کھاتے اور گپ لگاتے۔جس دن وہ خود تشریف نہ لا سکتے، اپنے ڈرائیور کے ہاتھ مضمون بھیج دیتے، جسے میں ٹائپ کرواتا او راس کی پروف ریڈنگ کر کے مضمون ''دی نیشن'' اخبار کے دفتر پہنچا دیتا۔'' (۲)

جیلانی کامران کے آخری کالم کا احوال بیان کرتے ہوئے لطیف قریشی لکھتے ہیں:

''وہ جاتے جاتے......میرے ساتھ شفقت فرما گئے کہ انھوں نے جمعہ مورخہ ۲۱ فروری کی شام

جو کالم لکھا وہ میری ہی اس روز روزنامہ ''نوائے وقت'' میں عراق پر امریکی حملے کے بارے میں چھپی ہوئی نظم پر ہے جس میں انھوں نے نہ صرف یہ کہ پوری نظم کا انگریزی ترجمہ شامل کیا ہے بلکہ مضمون کے آخر میں ایک بند اپنی طرف سے بھی اضافہ کیا جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔

America learn to talk
To human kind
Tis better to work green fields
Tis better to love man kind

ویسے تو ان کی اکثر تحریروں میں امن پسندی اور انسان دوستی بھرپور طریقے سے موجود ہے لیکن اس ایک بند میں بھی ان کی امن دوستی اور انسان دوستی پوری شان سے ضوفشاں ہے۔'' (۳)

جیلانی کامران کی جس امن پسندی اور انسان دوستی کا ذکر درج بالا سطور میں کیا گیا ہے وہ ان کی نثری تحریروں اور شاعری ہی سے مخصوص نہیں بلکہ ان کی شخصیت اور ذات بھی انسان دوستی کا استعارہ نظر آتی ہے اور ان کی گفتگو، کلام، ان کی نرم خُو طبیعت میں ڈھل کر ایک جوئے خوش خرام کا منظر پیش کرتی ہے۔ وہ ہمیشہ دوسرے کی بات چیت اور گفتگو پوری توجہ سے سنتے اور اس پر اپنی علمیت یا انگریزی دانی کا رعب جمانے کے بجائے دھیمے اندز ز میں پنجابی زبان میں بات کر کے گھائل کر لیتے۔ اگر کبھی بحث کا موقع آیا تو اسے غیر ضروری طول دینے کے بجائے چند جملوں میں نتیجہ نکال کر سامنے رکھ دیتے اور مقابل پر بیٹھے ہوؤں کو ان کی بات پر صاد کرتے ہی بنتی۔ انھوں نے اپنی بیشتر نثری تحریروں میں ہمیشہ صلح و آشتی اور امن کی بات کی۔ اس معاملے میں انھوں نے صوفیانہ مسلک کی پیروی کی۔ انھوں نے تصوف کا بہت گہرا مطالعہ کر رکھا تھا۔ چناں چہ ان کی تحریروں میں متصوفانہ فکر کے عناصر کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے بحیثیت نقاد ادبی تنقید میں فکر ونظر کے نئے زاویوں سے ان ابعاد کی راہ دکھائی جو ایک نئی روایت کو جنم دیتے ہیں۔ یہ نئی روایت ادبی تخلیق کو اس کے مذہبی و ثقافتی پس منظر میں جانچنے کی روایت ہے۔ اس ضمن میں ان کی کتاب ''تنقید کا نیا پس منظر'' خاصی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کتاب میں شامل بعض مضامین مثلاً ''اسلام کا ہمارے ادب میں حصہ''، ''ادب اور بنیادی انسانی اقدار'' ''مذہب عشق'' وغیرہ جیلانی کامران کے منفرد ادبی و تنقیدی نقطِ نظر کے آئینہ دار ہیں۔ اسی طرح ان کی کتاب ''ادب کے مخفی اشارے'' میں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ ظاہر میں نظر آنے والی دنیا سے الگ ایک ایسی دنیا بھی ہے جو ادب او رادبی دانست کے پَرے جھلملاتی ہے۔

جیلانی کامران کی شخصیت اور ادبی نظریات میں یک گونہ مماثلت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ ان کی شخصیت کی ساری خوبیاں، جن کی تعمیر میں فطرتِ انسانی کے اعلیٰ اخلاقی معیارات صَرف ہوئے ہیں، ان کے ادبی نظریات میں بھی عکس ریز نظر آتے ہیں۔ دیکھا جائے تو ان کے ادبی نظریات کا آئینہ ان کی شاعری ہے۔ خاص طور پر وہ شاعری جو ۱۹۹۷ء او راس کے بعد کے عرصے میں وجود میں آئی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب جیلانی کامران اپنی عمر کے ۷۰ ویں برس کو عبور کر چکے تھے۔ اور اپنے نظریاتِ خیر میں راسخ ہو چکے تھے۔ انھوں نے انسان، زندگی اور کائنات

کو جس تناظر میں مشاہدہ کر رکھا تھا، اس کا زاویہ ایک ہلکی سی تبدیلی سی اپنی اصل سے بہت قریب ہوگیا۔ اور یہ تمام مظاہر ایک خلد آفریں تصور کے ساتھ، فطرت کے حسن اور دل کشی کا استعارہ بن گئے۔ مذہب، عشق اور تہذیب انسان کی ساری حالتیں اور ان کے بارے میں قرآنی تمثیلیں ایک راحت آمیز سرخوشی میں ڈھل گئیں۔ عام طور پر اس عمر میں پہنچ کر انسان اپنی گزشتہ زندگی کے آموختے پر بسر کرتا ہے لیکن جیلانی کامران کے یہاں ہمیں صورت حال مختلف نظر آتی ہے۔ انھوں نے ماضی کو یکسر تو نہیں بھلایا البتہ کہیں کہیں ماضی کے معدوم آثار کو دھیان میں لا کر عہد آیندہ کے نوشگفت اور تر و تازہ منظر نامے پر نگاہیں جمائی ہیں:

جدائی کے لمبے مہینے میں
جو پھول کھلتا ہے اس کی مہک میں
مجھے تیرے ہونے کی خوشبو کا احساس ہوتا ہے (۴)

فکر و نظر کے اَن گنت سلسلوں سے گزرنے کے بعد جیلانی کامران زندگی کے ہر لمحہ معدوم ہوتے سایوں میں کسی نشاط انگیز کیفیت کے تمنائی نظر آتے ہیں۔ ان کی وہ خواہشیں اور آرزوئیں یک لخت جاگ اُٹھتی ہیں جو ایک مصروف زندگی کے ہنگاموں میں آسودہ خواب تھیں۔ وہ یہ بات جانتے ہیں کہ خدائی کے نقشے میں لمحے گزرتے ہیں، مٹتے ہیں اور رُوپوش ہو جاتے ہیں لیکن زیست میں کوئی ایک لمحہ تو ایسا ہونا چاہیے جو دِلوں کے لیے وصل کی نیک ساعت بن کر اُترے اور حیرت کے سارے پردوں کو اُٹھا دے۔ چناں چہ وہ دعاؤں کو اچھے ارادوں کا رختِ سفر بناتے ہوئے راہِ حیات کے مسافر کو اپنے دل کی بستی کی رہگزر دکھاتے ہیں جہاں دعاؤں کے نقشِ قدم پر گزرتے ہوئے اُسے ان کے مقدر میں آنا اور انھیں آزمانا ہے۔

باہر کی طرف کھلنے والی اور کائنات کا مشاہدہ کر کے اس کے اسرار تک پہنچنے والی آنکھیں، اپنی ذات کے دُروں میں وا ہونے لگتی ہیں۔ عمر کی طویل مسافت میں اگر اس کیفیت سے ملاقات ہو جاتی ہے جس میں وصل کے ذائقے بھرے ہوئے ہیں تو اس شجرِ احساس کی ڈال پر پُھول بن کر نمو پانے کی خواہش بیدار ہونے لگتی ہے:

تو اگر ہمیں ملتا عمر کی مسافت میں
ہم ترے درختوں کے پُھول بن گئے ہوتے
راہ میں چمن ہوتے
آسماں کی صورت میں چاند بے گہن ہوتے
تو بھی انجمن ہوتا
ہم بھی انجمن ہوتے
خاک کے نصیبوں میں عرش کی فضا رُکتی
حُور کے قدم رُکتے خلد کی ہَوا رُکتی
لوگ خوش ادا رُکتے

آنکھ دل رُبا رکتی
تو بھی دو قدم رُکتا
ہم بھی ہر قدم رُکتے (۵)

یہ نظم جہاں ایک خوابیدہ آرزو کے امکانی ظہور کی تمنّا کو ظاہر کرتی ہے وہاں فطرت کے ساتھ شاعر کے غیر معمولی ربط کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔ ''درختوں کے پُھول بن جانے'' کی خواہش دراصل خود کو حسنِ مطلق کے وجود کی خوشبو میں تحلیل کر دینے اور اس سے ایک نئی ذات کی صورت میں نمو پانے کا استعارہ ہے۔ اسی طرح ''چاند بے گہن ہونا'' بھی مادی آلائشوں سے پاک ہونے کے احساس کو بیان کرتا ہے۔ یہ کیفیت انگیز خوب صورت نظم جیلانی کامران کے ایک خاص طرزِ احساس کی آئینہ دار ہے جس کے اصل معانی ان کے صوفیانہ لب و لہجے کو پہچان کر ہی متعین ہوتے ہیں۔

اسی کیفیت یا اس سے ملتی جلتی کیفیت کا اظہار ان کی نظم ''کچے شگوفے اتاریں'' میں ہوتا ہے۔ اس نظم کے پس منظر میں بھی وہی درختوں کے پھول بننے کی خواہش موجود ہے لیکن اس فرق کے ساتھ کہ یہاں اونچے درختوں سے کچے شگوفے اتارنے کی خواہش ملتی ہے۔ وہ کچے شگوفے جو پریاں، بہاروں کے پردے میں جنت سے لاتی ہیں اور اہلِ دنیا کو ان کے ادھورے، سنہرے چمک دار خوابوں میں اکثر دکھاتی ہیں اور جن کی خوشبو سے دنیا کے گلشن مہکتے ہیں اور اَن دیکھے لمحوں کے باطن چمکتے ہیں۔

جیلانی کامران کے یہاں درخت کا استعارہ ایک خاص معنویت کا حامل ہے۔ ان کے نزدیک ''درخت آدم کی ابتدائی سرگزشت میں زندگی کا درخت بھی ہے اور علمِ خیر و شر کا شجر بھی ہے۔'' (۶) درختوں کا پھول بننے میں زندگی کے بھرپور حُسن کا تصور موجود ہے۔ اسی طرح درخت کے کچے شگوفوں سے مراد وہ ناتمام خواہشیں اور آرزوئیں ہیں جو اہلِ دنیا کے اُدھورے اور سنہرے چمک دار خوابوں سے وابستہ ہیں۔ یہ خواہشیں دل میں جاگتی ہیں تو ایک بہار آفریں سماں پیدا کرتی ہیں اور ان کی خوشبو سے دنیا کے گلشن مہکتے ہیں اور اَن دیکھے حسین لمحوں کی یاد دلاتی ہیں۔

جیلانی کامران کی ان نظموں میں موسم، خوشبو، خواب، گلاب، باغ، پرندے، چشمہ، گلشن، تتلی، کرن، پھول، پتے، شبنم، اوس وغیرہ کے الفاظ بار بار آئے ہیں۔ یہ تمام الفاظ زندگی کے حُسن اور خوب صورتی کو ظاہر کرتے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے جیلانی کامران پر زندگی کے آخری برسوں میں یہ حقیقت پورے طور پر عیاں ہو چکی ہے کہ اس دنیا کے بے رنگ موسموں، خزاں زدہ رتوں، صحراؤں کے تپش آلود بگولوں سے اُدھر ایک اور دنیا بھی ہے جس کے موسم اُجلے، رتیں حسیں اور بادِ سحر دلوں کو تازگی اور حسن عطا کرتی ہیں:

ہوا نے دی ہے خبر رات کے گزرنے کی
ہر ایک شہر میں خوشبو ہے
بن سنورنے کی
چلی ہے بات کسی کے کہیں اُترنے کی......!

تمام شہر کے اُجلے ہیں بام و در آ ہا
چلے ہیں خواب میں دنیا کے بے خبر آ ہا
ملے گی نیند کے منظر میں کل سحر آ ہا
دلوں کی عید میں رونق ہے پھر نکھرنے کی
عجیب رُت میں خبر عام ہے تڑپنے کی! (۷)

....

بے ثبات کی دنیا موسموں میں اُتری ہے
پھول بن کے آئی ہے
گلشنوں میں اُتری ہے
آنسوؤں میں اُتری ہے
دل میں کچھ برس جی کر آنگنوں میں اُتری ہے (۸)

....

کبھی آؤ! چشمے میں دیکھو
محبت گزرتے نظر آئے گی جھونکے جھونکے میں
بھٹکی ہوئی
ایک آہٹ سی پانی میں ہلچل کی صورت میں
گزرے گی بہکی ہوئی
نہ سہی تم
نہ میں۔ نہ کوئی اور،
مگر پھر بھی چشمے کے اندر کوئی تو کہے گا
سلامت رہو
مسکراؤ! (۹)

ان نظموں کو پڑھ کر نئے دنوں کی نوید درِ دل پر دستک دیتی ہے۔ اگرچہ بے ثبات کی دنیا میں سب آنی و جانی اور فانی ہے۔ اس دنیا کے موسم بھی بے ثبات اور ان موسموں میں کھلنے والے پھول بھی بے ثبات......لیکن یہ کیا کم ہے کہ یہ پھول کھِل کر یہ پیغام تو دیتے ہیں کہ ابھی زندگی کا جواز موجود ہے۔گلشنوں، آنسوؤں اور آنگنوں میں قدم رکھتے ہوئے اس بے ثبات کی دنیا کے پھول یہ احساس تو پیدا کرتے ہیں کہ فنا لازم سہی لیکن کچھ دیر کے لیے امید و رجا کی روشنی ایک زندہ حقیقت کے احساس کو جگانے میں ضرور مدد کرتی ہے:

قوسِ قزح کے رنگوں والی

رُت آ جائے پاس
اچھے مستقبل میں جاگے
اپنی
سب کی آس
راحت کے دن دیکھ کے خوش ہوں
تارے اور مہتاب
آؤ مل کر
ڈھونڈنے نکلیں میٹھے میٹھے خواب
بچے، بوڑھے، مائیں، بہنیں
دنیا کے سب بسنے والے
کب سے ہیں بے تاب!
ایک صدا ہے گلی محلے
دل کے بہت قریب
رات کو رونے والے دیکھیں
بدلے ہوئے نصیب
آنے والے کل کے پائیں
رنگ برنگے خواب
اچھے اچھے خواب
اپنے سب کے خواب
اب اور تب کے خواب......! (۱۰)

جیلانی کامران نئے اور خوب صورت دنوں کی آس میں اپنی ذات کے علاوہ دنیا کے سب بسنے والوں اور چاند تاروں کو بھی شامل کر لیتے ہیں جو ایک عرصے سے پرانے اور فرسودہ منظر دیکھ دیکھ کر تھک چکے ہیں۔ وہ موسم، جس میں آسمان قوسِ قزح کے رنگوں کی مالا پہن لے گا اور راحت کے دن، جو اچھے مستقبل سے وابستہ ہیں، ضرور آئیں گے۔ یہ وہ میٹھے میٹھے خواب ہیں، جن کی تعبیر پانے کے لیے دنیا کے سارے بسنے والے ایک عرصہ سے بے تاب ہیں۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کر کی جانے والی دعاؤں کے آنسو ضرور مستجاب ہوں گے۔ رات گزرے گی تو یہ رونے والے اپنے نصیب بدلے ہوئے پائیں گے اور ماضی اور حال کے سارے خواب ایک خوشگوار مستقبل کی صورت میں ضرور پورے ہوں گے۔

نظم ''صبح کی ہواؤں میں'' میں بھی شاعر کا یہ خواب اپنی سندرتا دکھاتا ہے۔ ناآسودہ اور کٹھن حالات میں

ایک بے اطمینان کی کیفیت میں زیست کرنے والا شاعر جو خواب دیکھتا ہے، اس کی تعبیر ایک دل خوش کن احساس لیے ہوئے ہے۔ خواہش کے پھول نے ایک دل ہی نہیں، سانس سانس کو مہکا دیا ہے۔ صبح کی ہواؤں کے خوشگوار جھونکے نے اس بات کا یقین دلا دیا ہے کہ اب روشنی کی منزل بہت قریب ہے۔ حالات بدلنے والے ہیں اور کامیابی دروازے پر دستک دے رہی ہے:

روشنی سے اب کہہ دو
وقت کے خزانوں سے نور کی کرن لائے
جو بھی دل فسردہ ہے
وہ نئی خوشی پائے! (۱۱)

جیلانی کامران کی نظمیں، ''ایک صدا ہے، گلی محلے'' اور ''صبح کی ہواؤں نے'' خصوصی طور پر اور بعض دیگر نظمیں عمومی رنگ میں حالات کے بدلنے کا اشارہ دیتی ہیں۔ اور کہیں واضح طور پر اور کہیں غیر محسوس انداز میں رُتوں کے بدلنے سے پیدا ہونے والے انقلاب کی خبر دیتی ہیں۔ جیلانی کامران چونکہ عمل خیر کے علم بردار ہیں، معاشرے میں محبت، رواداری اور ایک دوسرے کے لیے نیک جذبات کو فروغ دینا چاہتے ہیں اس لیے انھوں نے ایک پُرامن انقلاب کا خواب دیکھا ہے۔ جو کلیوں کے چٹکنے، پھولوں کے کھلنے اور غنچوں کے مسکرانے سے وجود میں آتا ہے۔ وہ روشنی اور نور کی کرن سے دلوں کو روشن کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں اس بات کا بھی پوری طرح یقین ہے کہ اس نوع کے انقلاب کی خواہش کرنے والے وہ واحد شاعر ہیں۔ ان کے علاوہ دوسروں کے ہاں تبدیلی کے خواب تو موجود ہیں لیکن ان خوابوں کے پورا ہونے میں سراسر جی کا زیاں ہیں۔ وہ خواب اپنے پورا ہونے میں لہو کا خراج مانگتے ہیں۔ برستے ہوئے ......اور ٹکڑے ہوتے ہوئے جسموں کے بیچ میں کوئی پھولوں کی نکہت اور غنچوں کی صدا کی بات نہیں کرتا:

ایک پرندہ
باغ میں تنہا چہک رہا ہے
ایک ہی پھول ہے اس موسم میں مہک رہا ہے
دور وطن سے دور پرندے ہانپ رہے ہیں
ان کے ساتھ ہزاروں سائے کانپ رہے ہیں
کل کی صورت
آج کے نقشے بانٹ رہی ہے
ایک لکیر سی دل کے گوشے کاٹ رہی ہے! (۱۲)

انھوں نے اپنی کئی نظموں میں بچوں کو مخاطب کیا ہے۔ بچے سادگی اور معصومیت کی علامت ہیں اور پُرامن تبدیلی کا استعارہ بنتے ہیں۔ دنیا کی کمزور ترین انسانی مخلوق ہونے کے باعث وہ طاقت، زور اور جبر کے الفاظ سے ناآشنا ہیں۔ وہ اپنی محدود دنیا میں صرف ماں کو گود کو پہچانتے ہیں۔ جو ان کے لئے واحد جائے پناہ اور عافیت کدہ

ہے۔ جیلانی کامران بچوں کا ذکر بھی پھولوں کی زبان میں کرتے ہیں وہ یہ بات جانتے ہیں کہ ان کی خواہشوں، تمناؤں اور آرزوؤں میں بھی بچوں کی سی سادگی اور معصومیت پائی جاتی ہے۔ چناں چہ بچوں کو مخاطب کرتے ہوئے وہ بچوں کی سی سادگی سے گہری بات کر جاتے ہیں:

ننھے دیکھ
وہ پھول ہے جس پر تتلی ہے
پیڑ ہے جس پہ کرن کی چاندی بکھری ہے
اس جانب دیوار پہ جو ہے، چڑیا ہے
دیکھ اُدھر جو کائیں کائیں کرتا ہے کوا ہے
پیاری جس کی چونچ ہے، اچھی مَینا ہے
ننھے! اس نے کیا کچھ
تجھ سے کہنا ہے!
تجھ سے تیرے گھر کا رستہ پوچھ رہی ہے
تجھ کو کیسے پیار سے مَینا دیکھ رہی ہے (۱۳)

....

بچے
کتنے پیارے بچے
کل کے آج سہارے بچے
ہر لمحے جو موسم بدلے، اس کے چاندے ستارے بچے
اچھے بچے
پیارے بچے!
وقت کی خوشبو اُن کے چہرے
اُن کے دَم سے روشن روشن شام سویرے
ایک ادا جو ان کی ادا ہے
اس کی ایک جھلک سے چمکیں گُھپ اندھیارے
کس کس روپ میں آئیں جائیں
پیارے بچے
اک ٹہنی پر عمر ہماری
بلبل! بلبل کوک رہی ہے دنیا ساری

ابر کی اوٹ سے جھانکیں چاند سے پیارے بچے
کس کے نیک اشارے بچے
پیارے بچے......! (۱۴)

نظم ''خواب سناؤ'' میں جیلانی کامران بچوں سے ان کے خواب سننے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔ اور پھر نظم میں ننھے منے خواب بیان کرتے ہیں۔ نظم ''پُھلواری'' میں انھوں نے کھیلتے ہوئے بچوں کو تازہ کھلے ہوئے پھولوں سے تشبیہ دی ہے۔ بچوں کے کھیل کو چڑیاں، مَینا، طوطے، کوے دیکھ رہے ہیں۔ بچے خوش ہیں اور ان کے ساتھ پرندے بھی پیڑ پر چہک رہے ہیں اور پُھلواری کے گوشے گوشے مہک رہے ہیں۔ کچھ لمحوں کے بعد سورج اپنا سفر طے کر کے اپنی آخری منزل کے قریب پہنچ جائے گا، سائے لمبے ہو جائیں گے...... اور:

شام کے ساتھ اداس اندھیرے آ جائیں گے
بچے اپنی ماؤں کی گود میں کھو جائیں گے
خوابوں میں خود پھول بنیں گے، سو جائیں گے
پُھلواری میں شبنم
تازہ پھول چُنے گی
ہر پودے میں بچوں کی آواز سنے گی! (۱۵)

بچوں کا خوابوں میں پھول بن جانا فطرت کے ساتھ ان کے گہرے تعلق کی علامت ہے۔ دن کے وقت پُھلواری میں بچے کھیلتے ہیں اور رات کو ان کی جگہ شبنم تازہ پھول چُنتی ہے اور بچوں کی آواز سنتی ہے۔ جیلانی کامران کو بچوں کے ساتھ یک گونہ محبت اور والہانہ پیار ہے۔ عمر کے آخری حصے میں پہنچ کر انھیں اپنا بچپن بھی دھیان میں آ جاتا ہے۔ اور وہ خود بھی اپنے اندر بیٹھے ہوئے بچے کو ٹٹولتے ہیں اور اس سے مکالمہ کرتے ہیں۔ انسانیت کے ایسے رقم کرنے والے جیلانی کامران اب اس نہج پر آ گئے ہیں کہ انھیں فطرت کی ہر شے میں خوب صورتی نظر آتی ہے۔ جہاں انھیں ہر سمت اندھیرا نظر آتا تھا وہاں روشنی ہی روشنی دکھائی دیتی ہے۔ صبح کی آہٹ تاریکی کو کاٹ رہی ہے۔ سورج اونچے پیڑ کی اوٹ سے جھانک رہا ہے۔ بستی بستی سے اندھیرا دور بھاگ رہا ہے۔ ہر طرف خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔ ایسے میں وہ بچوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

بچو! نیند میں سونے والو، پیارے بچو
خواب سے جاگو
دیکھو! ہر شے کتنی خوش ہے، جاگ رہی ہے
کرن کے پیچھے دیکھو چڑیا بھاگ رہی ہے (۱۶)

شاخوں پر کھلنے والے اور شاخوں سے ٹوٹ کر گرنے والے پھولوں میں ایک پھول ایسا بھی ہے جسے دل کا پھول کہتے ہیں۔ یہ زمانے بھر میں کھلنے والا ایک ہی پھول ہے جو خواب میں، نیند میں، ہر خواہش میں ملتا ہے۔ یہ پھول:

ہر منزل پر راہ تمھاری دیکھ رہا ہے
تم سب میں
تقدیر ہماری دیکھ رہا ہے! (۱۷)

نظم ''مجھے اپنی خاطر'' بھی اسی کیفیت کی نظم ہے۔ ''مجھے اپنی خاطر وہ جھاڑی میں کھلتا ہوا پھول لا دو۔'' جیلانی کامران جھاڑی میں کھلتے ہوئے پھول کو حاصل کرنے کی خواہش کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اس پھول سے قدرت کے اسرار وابستہ ہیں جس نے اس پھول کو کسی باغ میں پیدا کرنے کے بجائے خشک جھاڑی میں تخلیق کیا ہے۔ اس نظم کی معنویت ان سطور میں کھلتی ہے:

مجھے اس کی خوشبو
زمانے میں بسنا سکھائے گی
مجھے اس کی رنگت
بتائے گی، قدرت کے اسرار کیا ہیں
جو کانٹوں میں جیتے ہیں
ان کی محبت کے اطوار کیا ہیں! (۱۸)

پھر ایک پھول پر تتلی ہے۔ جسے دیکھ کر وہ ننھے کو یوں مخاطب کرتے ہیں:

ننھے!
دیکھ وہ پھول ہے، جس پر تتلی ہے
اپنے گھر سے تجھ کو دیکھنے نکلی ہے
پھول سے وہ خوشبو کی مہک بنائے گی
پھر وہ خوش خوش
تجھ سے ملنے آئے گی

....

ننھے دیکھ
یہ کیسی پیاری دنیا ہے
جس میں خوشبو بن کر تجھ کو جینا ہے۔ (۱۹)

جیلانی کامران کے آخری مجموعہ نظم ''مزید نظمیں'' (۲۰۰۱ء) میں شامل نظمیں بھی اسی احساس اور کیفیت کو بیان کرتی ہیں جو ''اور نظمیں'' میں رچی بسی نظر آتی ہے۔ اس مجموعے کی دو نظمیں ''دو پھول'' اور ''پھولوں کو دیکھ'' پھولوں کی خوشبو اور ان کے رنگوں سے شاعر کے غیر معمولی ربط کی آئینہ دار ہیں۔ جیلانی کامران اپنے آنگن میں گیندے کے دو پھول کھلنے پر خوشی اور مسرت سے خود گلزار بن جاتے ہیں اور خوش خرامی کا بازار نظر آتے ہیں۔

پھولوں کے کھلنے کو وہ زمین کے فیضِ عام کا نام دیتے ہیں جو بیک نظر زیارتوں کا اہتمام کرتی ہے۔ اسے وہ حیرت کا مقام کہتے ہیں۔ جو زمین کے پردوں سے باہر آ کر انسان کو حیران کر دیتی ہے:

جو لوگ
پھولوں کی گفتگو میں کلام کرتے ہیں
کس زمانے میں جی رہے ہیں
تمھی کہو
کس زمیں کا پانی، وہ کیسے چشموں سے
پی رہے ہیں! (۲۰)

جیلانی کامران کے نزدیک پھولوں کا کھلنا دراصل حجاب کا اٹھنا ہے۔ وہ چہرہ جو ہزار پردوں میں مستور ہے، پھولوں کی صورت اپنی دید کا اِذن دیتا ہے:

پھولوں کو دیکھ
دید کے نقشے ہیں جابجا
عکس وظہور وخواب کے قصے ہیں جابجا
کچھ ان کو دیکھ
اور کچھ اپنی نظر کو دیکھ
بے خبریوں کی رُت میں کچھ اپنی
خبر کو دیکھ!
ہر دورِ بے چراغ کی قسمت ہے روشنی
خوابِ جہاں میں خوش نظر حیرت ہے روشنی
اٹھتے ہوئے حجاب کی بلبل ہے آشنا
چہرے میں ہر نقاب کی قلقل ہے آشنا
اس دل میں رہ، جو تجھ سے تری گفتگو کرے
لمحے کے آئینے میں تجھ روبرو کرے! (۲۱)

دیگر کئی نظموں کی طرح اس نظم میں بھی جیلانی کامران کا صوفیانہ لب ولہجہ صاف پہچانا جاسکتا ہے۔ وہ چاہے بچوں کی بات کریں، گُل و بلبل کے قصے چھیڑیں، خوشبوؤں، رنگوں، تتلیوں، پرندوں اور درختوں کی تصویر میں دکھائیں، ان کے پس پردہ ایک ہی محرک ہے، ایک ہی ذات ہے جو ان کے دروں میں سمائی ہوئی ہے اور جسے وہ اپنے حرف و بیاں کے ذریعے پردے سے باہر لا کر اپنی دید کو سر و سامان کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی نظم ''وصل کے مسافر'' اس احساس کو زیادہ وضاحت سے بیان کرتی ہے:

باغ میں
بے لباس اس کو دیکھا، تو حیرت سے
بے خود ہوئے
ایک دنیا میں سوئے، کسی اور دنیا میں جاگے!
اسے ہم نے
اپنے دل و جاں کے لکھے ہوئے خط دیے
اور وہ دکھ دکھائے
زمانے نے جو آنکھ کی ظلمتوں میں
پروئے تھے
دنیا کی کھیتی میں خار اور خاشاک
بوئے تھے!
اسے ہم نے
خوابوں کی مخمل پہ چلتے ہوئے اپنی
ہر شے کہا
جام و ساغر کہا، شربت و مے کہا
نغمہ و لے کہا
بلبلِ ناتواں کی زباں میں
کبھی گل کہا
اپنی پہچان میں گاہے محفل کہا
گاہے محمل کہا۔! (۲۲)

وصل کے مسافر نے اپنی ساری زندگی سراغِ سفر ہی میں کھودی۔ اختتامِ سفر پر شاعر التجا کرتا ہے:

دکھا، دکھا دے کہاں ہے وہ راستہ
جو تیرا لباس بن کر
زمیں کو اپنی طرف بلاتا ہے، اس کو
دستِ دعا بناتا ہے! (۲۳)

جیلانی کامران کی آخری دور کی شاعری ان کی شعری بوطیقا کا ایک نیا منظر نامہ ہمارے سامنے لاتی ہے۔ اس منظر نامے کے رنگ بہت اُجلے اور صاف ہیں۔ اس منظر نامے کے زمینی مظاہر فطرت کے نو بہ نو رنگوں، خوشبوؤں اور روشنیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ ان تمام رنگوں، خوشبوؤں اور روشنیوں کا مرکز ایک ہے جہاں سے

فطرت کے تمام چشمے پھوٹتے اور اس کی وسعتوں میں دھارے بن کر بہتے ہیں۔ جیلانی کامران نے اس حقیقت کو خوب اچھی طرح جان لیا تھا کہ انسان خود بھی فطرت کا ایک اہم ترین حصہ ہے لیکن اس کی بے خبری نے اسے اس سطح پر لا ڈالا جہاں اس کے نصیب خواب خواب بن کر ہوا کے جھونکوں میں کھوگئے۔ اب اسے اس کی طرف سے جواب بن کر خود کو نمازِ ہستی میں تلاش کرنا ہے۔

حوالہ جات:

(۱) لطیف قریشی، جیلانی کامران ایک مطالعہ، لاہور، ملٹی میڈیا افیئرز، ۲۰۰۴، ص ۹
(۲) ایضاً، ص ۸
(۳) ایضاً، ص ۸
(۴) جیلانی کامران، نظم، ''مجھے ایک موسم نے''، جیلانی کامران کی نظمیں، لاہور، ملٹی میڈیا افیئرز، ۲۰۰۲، ص ۲۸۱
(۵) جیلانی کامران، نظم، ''تو اگر ہمیں ملتا''۔ مجموعہ، اور نظمیں، کلیات، ص ۲۷۸
(۶) جیلانی کامران، ادب کے مخفی اشارے، لاہور، ابلاغ پبلشرز، ۲۰۰۲، ص ۳۷
(۷) جیلانی کامران، نظم، ''ہوا نے دی ہے خبر''، مجموعہ اور نظمیں، کلیات، ص ۲۸۳
(۸) جیلانی کامران، نظم ''بے ثبات کی دنیا''، مجموعہ اور نظمیں، کلیات، ص ۲۸۹
(۹) جیلانی کامران، نظم، ''کبھی آ وَ! چشمے میں دیکھو''، مجموعہ اور نظمیں، کلیات، ص ۲۹۲
(۱۰) جیلانی کامران، نظم، ''ایک صدا ہے، گلی محلے''، مجموعہ اور نظمیں، کلیات، ص ۲۹۳
(۱۱) جیلانی کامران، نظم، ''صبح کی ہواؤں''، مجموعہ، اور نظمیں، کلیات، ص ۲۹۴
(۱۲) جیلانی کامران، نظم، ''ایک پرندہ''، مجموعہ، اور نظمیں، کلیات، ص ۲۹۸
(۱۳) جیلانی کامران، نظم، ''کرن کی چاندی بکھری ہے''، مجموعہ، اور نظمیں، کلیات، ص ۲۹۱
(۱۴) جیلانی کامران، نظم، ''پیارے بچے''، مجموعہ، اور نظمیں، کلیات، ص ۲۹۵
(۱۵) جیلانی کامران، نظم، ''پھلواری''، مجموعہ، اور نظمیں، کلیات، ص ۳۰۱
(۱۶) جیلانی کامران، نظم، ''دل کا پھول''، مجموعہ، اور نظمیں، کلیات، ص ۳۰۵
(۱۷) ایضاً، ص ۳۰۵
(۱۸) جیلانی کامران، نظم، ''مجھے اپنی خاطر''، مجموعہ، اور نظمیں، کلیات، ص ۳۱۳
(۱۹) جیلانی کامران، نظم، ''ننھے دیکھ''، مجموعہ، اور نظمیں، کلیات، ص ۳۱۴، ۳۱۵
(۲۰) جیلانی کامران، نظم، ''دو پھول'' مجموعہ، اور نظمیں، کلیات، ص ۳۲۱
(۲۱) جیلانی کامران، نظم، ''پھولوں کو دیکھ''، مجموعہ، اور نظمیں، کلیات، ص ۳۲۳
(۲۲) جیلانی کامران، نظم، ''وصل کے مسافر''، مجموعہ، اور نظمیں، کلیات، ص ۳۲۴
(۲۳) جیلانی کامران، نظم، ''سراغِ سفر''، مجموعہ، اور نظمیں، کلیات، ص ۳۳۱